سورۃ المائدہ کے مخصوص مضامین
تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل کی روشنی میں

(Specific Contents of Surah Al-Māidah
in context of Tafsir "Al-Iklīl fi Istinbāt al-Tanzīl")

*محمد سلیمان خان
**پرفیسر ڈاکٹر عبد العلی اچکزئی

ABSTRACT

Al-Suyyūti was born on October 3, 1445 AD (1 Rajab 849 AH) in Cairo, Egypt. His mother was Circassian and his father has a Persian origin. According to al-Suyyūti, his ancestors came from al-Khudayriyya to Baghdad. His family moved to al-suyyūt in Mamluk Egypt, that's why his nisbah was "Al-Suyyūti".

At the age of six, his father died, then his father's sufi friend Kamal ud Din bin Hammam took him into his custody who was Qazi at that time. Al-Suyyūti studied Shafi and Hanafi jurisprudence (fiqh), traditions (hadith), exegesis (tafsir), theology, history, rhetoric, philosophy, philology, arithmetic, timekeeping (miqat) and medicine. He started teaching Shafi jurisprudence at the age of eighteen in the same mosque where his father taught. In 1486, Sultan Qaitbay appointed him "Shaykh" at the Khanqah of Baybars II, a Sufi lodge. He was a Sufi of the Shadhili order.

Allama Al-Suyyūti wrote many books in almost all fields of science of his time. There are many sayings about the count of his books, Allama Sayyuti told this count at about three hundred. Among his books "al-Iklīl fi Istinbāt al-Tanzīl" is an exegesis of Quranic Verses of Ahkaam.

In this commentary, Allama has briefly examined and deduced the rules of jurisprudence according to the Shafi'i school of thought, but from time to time he has also mentioned other famous schools of jurisprudence.

As Surah Al-Ma'ida is the last Surah in terms of revelation, its verses are firm and abrogated for other rules. That is, the verses of this Surah have not been abrogated by the verses of any other Surah.

---

* ریسرچ سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ
** پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

In this Surah, Allama has discussed jurisprudence on many topics, but I have presented only a few topics in this article as an example so that a sample of this interpretation of Allama may be presented to the scholars.

Key Words: *Tafseer, Al-Sayyūti, Al-Iklīl fi Isṯinbāt al-Tanzīl, Surah Al-Maida's Contents.*

مفسرِ تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل کا مختصر تعارف:

آپ کا نام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن (کمال الدین) ابو بکر بن (ناصر الدین) محمد (الخضیری السیوطی) ہے۔ جلال الدین سیوطی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کا خاندان اصلاً ایرانی ہے، لیکن آپ کے آباء واجداد آپ کی پیدائش سے تقریباً نو پشت قبل مصر کے شہر اُسیوط میں آباد ہو گئے تھے۔[1]

جلال الدین سیوطی یکم رجب ۸۴۹ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی ان کی پیدائش کے تقریباً چھ برس کے بعد ۵ صفر ۸۵۵ھ میں وفات پا گئے۔ والد کی وفات کے بعد والد کے ایک صوفی دوست کمال الدین ابن ہمام نے ان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ کمال الدین ابن ہمام قاضی کے منصب پر فائز تھے اور انھوں نے فقہ حنفی کی معروف کتاب الھدایۃ کی شرح اور اصول فقہ سے متعلق کچھ رسائل تصنیف کیے تھے۔[2]

جلال الدین سیوطی حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے۔ آپ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ اس کے بعد عمدۃ الاحکام للنووی، منھاج لابن مالک، اور الفیۃ لبیضاوی حفظ کر لیں۔ آپ نے مصر کے نامور اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، طب وغیرہ علوم کی تحصیل کی، آپ کے اساتذہ میں احمد بن ابراہیم بن نصر اللہ، قاضی عزالدین ابوالبرکات، احمد بن ابراہیم بن سلیمان القلیوبی، احمد بن عبداللہ بن علی، احمد بن عبدالقادر بن محمد بن طریف الشاوی، احمد بن علی بن ابو بکر الشارمساحی، احمد بن علی بن محمد، احمد بن محمد بن احمد بن محمد النویری، احمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بن عمر بلقینی، ابراہیم بن احمد بن یونس، ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن سعد الدیری، اسماعیل بن ابی بکر، آمنہ بنت شرف الدین موسیٰ بن احمد، آسیہ بنت جار اللہ بن صالح الشیبانی، صالح بن عمر بن رسلان، عبدالخالق بن عمر بن رسلان، عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالرحمٰن القمی وغیرہ کثیر علما و محدثین کے نام قابل ذکر ہیں۔[3]

اس کے بعد ۸۷۰ھ کے اوائل میں قاہرہ واپس آئے اور اپنے والد کے مدرسہ شیخونیہ میں مدرس ہو گئے۔ ۸۹۱ھ میں آپ کو معروف مدرسہ البیبرسیہ میں بھیج دیا گیا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر آپ کو ۹۰۶ھ میں اس منصب سے الگ کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے جانشین مدرس کی وفات کے بعد آپ کو دوبارہ اسی عہدے کی پیش کش کی گئی جسے آپ نے قبول نہ کیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ آپ نے ۱۸ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔[4]

سیوطی بچپن ہی سے تعلیم و تدریس کی طرف مائل تھے۔ سترہ برس کی عمر میں آپ نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ آپ کے ہاں موضوعات کی وسعت حیران کن حد تک ہے۔ آپ نے علوم کے تمام شعبہ جات میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی مصنفات کی فہرست بہت طویل ہے۔ فلوجل نے ان کی تعداد ۵۶۱، بروکلمان نے ۴۱۵، جمیل بک نے ۵۷۶ اور خود سیوطی نے یہ تعداد ۳۰۰ بیان کی ہے۔[5]

غلام احمد حریری صاحب علامہ سیوطیؒ کے آخری عمر کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

" علامہ سیوطیؒ جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو دنیوی علائق سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو ذکر و عبادت کے لئے وقف کر دیا فتوی اور تدریس تک ترک کر دی، وفات تک روضۃ المقیاس میں سکون پزیر رہے، آپ نے بہت عمدہ اشعار بھی کہے ہیں، جو علمی فوائد اور شرعی احکام پر مشتمل ہیں، آپ نے 19 جمادی الاولی 911ھ شب جمعہ کو وفات پائی۔"[6]

تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل کا ایک مختصر جائزہ:

قرآن مجید بے شمار علوم وفنون کا خزینہ ہے، اس کے متعدد مضامین میں سے ایک اہم ترین مضمون اس کے احکام ہیں، جو پورے قرآن مجید میں جابجا موجود ہیں۔ احکام القرآن پر مبنی آیات کی تعداد پانچ سو یا اس کے لگ بھگ ہے، مفسرین کرام نے جہاں پورے قرآن کی تفاسیر لکھی ہیں، وہی احکام پر مبنی آیات کو جمع کر کے الگ سے احکام القرآن پر مشتمل فقہی تفسیری مجموعے بھی مرتب کئے ہیں، علامہ سیوطی کی تفسیر "الاکلیل فی استنباط التنزیل" بھی اسی طرز و انداز کی لکھی گئی ایک منفرد تفسیر ہے، جس میں علامہ سیوطی نے پورے قرآن میں موجود احکام پر مبنی آیات کی تفسیر قلم بند کی ہے، احکام القرآن پر علامہ سیوطی کا مرتب کردہ مجموعہ " الاکلیل فی استنباط التنزیل " مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مفید مجموعہ ہے، اس فقہی تفسیر میں علامہ سیوطیؒ نے فقہی احکام و مسائل کی بہت مختصر، آسان اور سہل انداز میں تشریح فرمائی ہے ، اس تفسیر میں سیوطیؒ نے عموماً شافعی مسلک کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہی احکام کا استنباط کیا ہے مگر باین ہمہ وقتاً فوقتاً دوسرے مشہور فقہی مسالک کا بھی تذکرہ کرتے ہے، علامہ عبد القادر الکاتب اس تفسیر کے بارے میں رقمطراز ہے:

"علامہ جلال الدین سیوطی کی یہ تفسیر اس بلند و برتر ہے مجھ جیسا عاجز اس کی تعریف کرے، یہ تفسیر روز اوّل سے علماء اور فقہاء کے استنباطات کا مرجع ہے۔ اگر لوگوں کی طبائع جامدہ کا خیال نہ ہوتا تو علماء ہر وقت اس کی طرح طرح کی خدمات کرتے رہتے ، اور لوگوں کے لئے اسے سہل بناتے۔"[7]

سورۃ المائدہ کا مختصر تعارف:

اس سورت کا نام سورۃ المائدہ ہے جس کا معنی ہے دستر خوان ،چونکہ اس سورت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر جو دستر خوان بطور معجزہ کے نازل ہوا تھا اس کا تذکرہ ہے ،اس لئے اسے سورۃ المائدہ کہا جاتا ہے اس حوالے سے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"اس سورہ کا نام پندرھویں رکوع کی آیت "هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ اَنۡ يُّنَزِّلَ عَلَيۡنَا مَآٮِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ"[8] کے لفظ "مائدہ" سے ماخوذ ہے۔ قرآن کی بیشتر سورتوں کے ناموں کی طرح اس نام کو بھی سورۃ کے موضوع سے کوئی خاص تعلق نہیں، محض دوسری سورتوں سے ممیز کرنے کے لیے اسے علامت کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔"[9]

علماء کرام خاص کر فقہاء عظام کے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ سورہ المائدہ کے مرکزی مضمون اوراس سورت کا محور فقہی احکام ہیں، حافظ عماد الدین ابن کثیر اس سورت کے مرکزی مضمون کے بارے میں رقمطراز ہے:

"عن جبيرقال: حججت فدخلت على عائشة، فقالت لي: يا جبير، تقرأ المائدة؟ فقلت: نعم. فقالت: أما إنها آخر سورة نزلت۔فما وجدتم فيها من حلال فاستحلوه، وما وجدتم فيها من حرام فحرموه."[10]

"حضرت جبیر بن نفیرؒ فرماتے ہیں، میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت اماں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورہ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا سنو سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ، حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔"

ابن کثیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت نقل فرمائی اس سے واضح ہو گیا کہ سورۃ المائدہ کا مرکزی مضمون حلال و حرام ہیں خواہ وہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہو،اس سورت میں بہت سارے احکام یکجا کئے گئے ہیں، اس بارے میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

"سورہ مائدہ میں بھی سورہ نساء کی طرح فروعی احکام، معاملات، معاہدات وغیرہ زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ اسی لئے روح المعانی نے فرمایا ہے کہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران باعتبار مضامین کے متحد ہیں۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر احکام اصول عقائد، توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کے آئے ہیں۔ فروعی احکام ضمنی ہیں اور سورہ نساء اور مائدہ باعتبار مضامین کے متحد ہیں کہ ان دونوں میں بیشتر فروعی احکام کا بیان ہے، اصول کا بیان ضمنی ہے۔ سورہ نساء میں باہمی معاملات اور حقوق

العباد پر زور دیا گیا ہے۔ شوہر بیوی کے حقوق، یتیموں کے حقوق، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ سورہ مائدہ کی پہلی آیت میں بھی ان تمام معاملات اور معاہدات کی پابندی اور ان کے پورا کرنے کی ہدایت آئی ہے۔ **یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود**۔ اسی لئے سورہ مائدہ کا دوسرا نام سورہ عقود بھی ہے، معاہدات اور معاملات کے بارے میں یہ سورۃ اور بالخصوص اس کی ابتدائی آیت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا اور ایک فرمان لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔ تو اس فرمان کے سرنامہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تحریر فرمائی تھی۔"[11]

مفتی محمد شفیع نے اس عبارت میں جو گفتگو فرمائی ہے اس میں پورے بحث اور اکثر تفاسیر کا خلاصہ کلام ہے۔

شعائر اللہ کا تعارف:

اسلامی شریعت میں لفظ "شعائر" کا استعمال بہت رہا ہے، مگر اس لفظ کی حقیقت سے اکثر پڑھے لکھے حضرات بھی ناواقف ہے، جبکہ کچھ دیگر حضرات اس میں افراط و تفریط کے شکار ہیں، جبکہ اسلام میں شعائر کا خاص مفہوم اور خاص احکام ہیں، تفسیر اکلیل فی استنباط التنزیل میں علامہ سیوطیؒ "شعائر" کے تعارف کے حوالے سے رقمطراز ہے:

"قوله تعالى: {لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ} قيل المراد بها الحرم، وقيل المناسك، وقيل محرمات الإحرام، وقيل أوامر الله ونواهيه."[12]

"اللہ تعالی کا قول: لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ. بعض علماء نے کہا کہ اس آیت کریمہ میں شعائر اللہ سے مراد حرم ہے اور بعضوں نے کہا کہ مناسک حج بیان کئے ہیں، جبکہ دیگر بعض نے کہا کہ اللہ کے اوامر ونواہی مراد ہیں۔"

علامہ سیوطی سورۃ المائدہ کے مذکورہ بالا عبارت میں شعائر اللہ کے تعین اور اس کے مصداق کے بارے میں علماء کے اقوال کا خلاصہ نقل فرما رہے ہیں، یاد رہے کہ اس حوالے سے اکثر مفسرین نے تعریف بالمصداق اور تعریف بالامثال واشیاء فرمائی ہے یہی طرز وانداز گذشتہ عبارت میں علامہ سیوطیؒ کا ہے اور یہی طرز وانداز علامہ قرطبی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا بھی ہے اس حوالے سے امام سیوطی کے ذکر کردہ کلام علماء مفسرین کے اقوال کا خلاصہ اور تلخیص ہیں، احکام القرآن میں علامہ قرطبی ابن عباس کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس. وقال مجاهد : الصفا والمروة والهدي والبدن كل ذلك من الشعائر----وكان المشركون يحجون ويعتمرون ويهدون فأراد المسلمون أن يغيروا عليهم ؛ فأنزل الله تعالى : { لا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ } . وقال عطاء بن أبي رباح :

شعائر الله جميع ما أمر الله به ونهى عنه. وقال الحسن : دين الله كله ؛ كقوله : {ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ } أي دين الله."[13]

" ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صفا، مروہ، ہدی اور بدن تمام شعائر میں سے ہیں، مشرکین حج و عمرہ اورھدی کیا کرتے تھے تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ان میں تغیر کرے تو یہ آیت نازل ہوئی: {لاتُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ }عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ شعائر سے مراد وہ تمام چیزیں ہے جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اور منع کیا ہے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ شعائر سے مراد اللہ کا پورا دین ہے، جس طرح کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ }یعنی اللہ تعالی کا دین۔"

شعائر کی یہ تعریف علامہ قرطبی کی ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے تفسیر میں کچھ یوں تعریف کرتے ہے:

"شعائر جمع ہے شعیرۃ اس کا واحد ہے، کسی چیز کی خصوصی علامت کو شعیرہ کہتے ہیں حج کے مناسک اور مواقف' حج کی علامات اور نشانیاں ہیں اسی لئے ان کو شعائر کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا شعائر اللہ سے مراد ہیں قربانی کے وہ جانور جو حاجی کعبہ کو بھیجتا ہے۔ اشعار علامت بنا دینا (یہ لغوی معنی ہے) اونٹ کے کوہان کے ایک پہلو کو کسی قدر چیر دیا جاتا تھا کہ اس سے خون بہنے لگتا تھا یہ خصوصی علامت تھی اس امر کی کہ یہ اونٹ قربانی کے لئے بھیجا ہوا ہے اس زخم کر دینے کو اشعار اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔"[14]

یہ تین اقوال جو ہم نے شعائر کے ضمن میں پیش کئیں یہ تمام کے تمام مصداق اور تعریف بالامثال واشیاء ہیں حقیقی تعریف نہیں ہے، اور علماء کرام کا یہ طرز و انداز ہے کہ جس چیز کو آسان انداز میں سمجھانا ہو تو اس کی تعریف مثال سے کرتے ہیں جیسے یہاں، اس حوالے سے مفسرین کے اقوال الفاظ تو بظاہر الگ الگ ہیں مگر مصداق و مقصد تمام کا ایک ہے، اردو تفاسیر میں بھی ہر ایک مفسر نے الگ الگ انداز اختیار کیا ہے مگر ان کا مدعا اور مقصد ایک ہے، مولانا مودودی مرحوم شعائر کی تعریف عام فہم انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر و عمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا "شعار" کہلائے گی، کیونکہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار

ہیں۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیرووں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔"[15]

شعائر کے عام تعریف کرنے کے بعد مولانا مودودی صاحب شعائر اللہ کی تفسیر اوراس کے مطلب و مراد کو بیان کرتے ہوئے اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"شعائر اللہ سے مراد وہ تمام علامات یانشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی علامات جہاں جس مسلک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں مسلمان ان کے احترام پر مامور ہیں، بشرطیکہ ان کا نفسیاتی پس منظر خالص خدا پرستانہ ہو، کسی مشرکانہ یا کافرانہ تخیل کی آلودگی سے انہیں ناپاک نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی شخص خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنے عقیدہ و عمل میں خدائے واحد کی بندگی و عبادت کا کوئی جزء رکھتا ہے، تو اس جزء کی حد تک مسلمان اس سے موافقت کریں گے اور ان شعائر کا بھی پورا احترام کریں گے جو اس کے مذہب میں خالص خدا پرستی کی علامت ہوں۔ اس چیز میں ہمارے اور اس کے درمیان نزاع نہیں بلکہ موافقت ہے۔ نزاع اگر ہے تو اس امر میں نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کیوں کرتا ہے، بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسری بندگیوں کی آمیزش کیوں کرتا ہے۔"[16]

خلاصہ کلام یہ کہ شعائر کسی قوم کے خاص اور امتیازی علامات ہوتے ہیں جو کہ ہر قوم وملت کی الگ الگ ہوتے ہیں، اور یہ شعائر اس قوم اور ملت کے پہچان ہوتے ہیں، جس طرح کہ ماقبل میں علامہ مودودی صاحب کے کلام سے اس کی بہت ساری مثالیں سامنے آگئی۔ جہاں تک بات ہے شعائر اللہ کا تو شعائر اللہ محض اسلامی اقدار کے علامات اور امتیازات ہوتے ہیں، جیسے کہ نماز، مسجد، بیت اللہ، احرام وغیرہ۔ یہاں اس مخصوص مقامکے اعتبار سے یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شعائر اللہ کے احترام کا یہ حکم اس زمانہ میں دیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی، مکہ پر مشرکین قابض تھے، عرب کے ہر حصے سے مشرک قبائل کے لوگ حج وزیارت کے لیے کعبہ کی طرف جاتے تھے اور بہت سے قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی زد میں تھے۔ اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہی سہی، تمہارے اور ان کے درمیان جنگ ہی سہی، مگر جب یہ خدا کے گھر کی طرف جاتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو، حج کے مہینوں

میں ان پر حملہ نہ کرو، خدا کے دربار میں نذر کرنے کے لیے جانور یہ لیے جارہے ہوں ان پر ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ ان کے بگڑے ہوئے مذہب میں خداپرستی کا جتنا حصہ باقی ہے وہ بجائے خود احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے احترامی کا۔

حلال اور حرام جانوروں کی تفصیل:

اسلام کے ضابطہ حیات میں حلت وحرمت کا ایک خاص معیار ہے اس معیار کا تعلق جہاں دنیاوی زندگی سے ہیں وہاں اس کا تعلق اخروی سے بھی ہے، جہاں ایک طرف دنیامیں حرام چیزوں کے کھانے پینے سے جسمانی مضرت پہنچتاہے وہاں بندہ خدا اُخروی اندیشوں کا بھی شکار رہتاہے دنیامیں اکل حرام کا اثر مختلف پریشانیوں کی شکل میں سامنے آتاہے اور آخرت میں عذاب الٰہی کا سامنا کرناپڑتاہے، دعاؤں کی قبولیت بھی اکل حرام سے بچنے اور حلال کے استعمال سے ہی ہوتی ہے، یہ تو وہ باتیں ہیں جو معاشرے میں رہنے والے کم بیش ہر عقل مند آدمی کو اس کا دھان رہتاہے اگرچہ عمل کے دنیاسے کورا کیوں نہ ہو، مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ حلال وحرام کا معیار یعنی قرآن وحدیث میں فرمودات اس حوالے سے کیاہے ہمیں کیا کھاناچایئے اور کیانہیں اور حوالے سے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ علامہ سیوطیؒ اپنے شہرہ آفاق تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل میں کچھ یوں رقمطراز ہے:

"قوله تعالى: {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ} الآية.فيها تحريم أكل الميتة والدم والخنزير والمذبوح لغير الله والمنخنقة وهي المقتولة خنقاً ومن صورها ما لو انخنق الصيد بأحبولة والموقوذة وهي المقتولة بالضرب بخشبة أو نحوها"[17]

"اللہ تعالی کا قول: {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ} الآیۃ اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ میتہ جانور، خون، خنزیر، ہر وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیاہو اور ہر وہ جانور جس کا گلہ گونٹ دیا گیاہو، اور وہ جانور جس لکڑی وغیرہ سے مار کر قتل کر دیا گیاہو تو حرام ہیں۔"

علامہ سیوطی کی طرح دیگر علماء کرام نے بھی اس پر طویل بحثیں کی ہے، اس حوالے سے سورۃ المائدہ کی آیت مذکور پیش خدمت ہے:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ"[18]

"تم پر مردار (یعنی بغیر ذبح کیے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیاہے اور (بہایاہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جس کو غیر اللہ (کی تعظیم وخوشنودی) کے لیے نامزد کر دیا گیاہو اور گلا گھٹ کر مراہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مراہوا اور اوپر سے

گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو (ان میں سے) سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لیے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو۔"

کیا حلال اور کیا حرام ہے ؟اس بات کو جاننے کے لئے سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں اصل حلت واباحت ہے یعنی یہ تمام اشیاء مباح ہے ہر کوئی ان میں سے ہر چیز کھا اور پی سکتا ہے اور وہ چیز حلال ہو گی الا یہ کہ دلائل سے ثابت ہو جائے کہ وہ حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [19]

"وہی (اللہ) تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں' تمہارے لیے پیدا کیں۔"

آیت کریمہ کے یہ الفاظ حیوانات' نباتات اور پینے کی ہر اس چیز کو شامل ہیں جو زمین میں موجود ہو' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ [20]

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا۔"

امام بیہقیؒ اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہے:

"وَقَدْ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتْرُكُونَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى كِتَابَهُ وَبَيَّنَ حَلاَلَهُ وَحَرَامَهُ فَمَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلاَلٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ ثُمَّ تَلاَ هَذِهِ الآيَةَ (قُلْ لاَ أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ)۔"[21]

"زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزوں کو گندہ سمجھنے کی وجہ سے چھوڑ جاتے تھے،تواللہ تعالی نے اپنی کتاب نازل کر کے اس میں حلال اور حرام بیان فرمایا جواللہ تعالی نے حلال کیاوہ حلال ہیں اور جو حرام فرمایاوہ حرام ہیں،اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے وہ قابل معافی ہے،پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: قُلْ لاَ أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ"

نیز فرمایا:

"عن أبي ثعلبة الخشني قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : إن الله عز و جل فرض فرائض فلا تضيعوها وحرم حرمات فلا تنتهكوها وحد حدودا فلا تعتدوها وسكت عن أشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها"[22]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں انہیں ضائع نہ کرو، کچھ حدود کا تعین کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے روک دیا ہے ان کی (حرمت کی) پامالی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے تم پر رخصت کے پیش نظر نہ کہ بھول جانے کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے تو ان کے بارے میں کرید نہ کرو"

ان دلائل کی روشنی میں اصول یہ ہے کہ تمام حیوانات حلال ہیں، سوائے ان کے جن کی حرمت دلیل سے ثابت ہو گئی ہو، مثلاً: پالتو گدھے حرام ہیں کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی حدیث میں ہے:

"أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا طَلْحَةَ، فَنَادَى: «إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ، فَإِنَّهَا رِجْسٌ"[23]

"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ابو طلحہؓ کو حکم دیا تھا کہ یہ اعلان کر دو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تم کو گھریلو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ یہ ناپاک ہیں"

اسی طرح ہر وہ درندہ حرام ہے جو کچلی سے شکار کرتا ہو، مثلاً: بھیڑیا، شیر اور ہاتھی وغیرہ نیز ہر وہ پرندہ حرام ہے جو اپنے پنجے سے شکار کرتا ہو، مثلاً: عقاب، باز، شکرا، شاہین اور چیل وغیرہ نیز وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے قتل کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے، انہیں تو اس لیے نہیں کھایا جاتا کہ وہ طبعی طور پر موذی ہیں لہٰذا ان کے کھانے سے انسانی طبیعت پر بھی ایذا کا پہلو غالب آئے گا اور کھانے والا شخص انسانوں کو ایذا پہنچانے کے درپے ہو گا، اسی طرح جن کے قتل سے شریعت نے منع کیا ہے تو وہ ان کے احترام کی وجہ سے ہے لہٰذا انہیں کھانا بھی جائز نہیں، شریعت نے جن جانوروں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے ان میں کوا اور چیل ہے اور جن کے قتل سے منع کیا ہے، ان میں چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا وغیرہ شامل ہیں نیز وہ جانور جو حرام جانور اور حلال جانور کے ملاپ سے پیدا ہو، مثلاً: خچر تو اس میں حلت و حرمت کے اگرچہ و دونوں پہلو ہوتے ہیں مگر یہاں حرمت کے پہلو کو غلبہ دیا گیا ہے' نیز وہ جانور جو مردار خور ہیں، ان کو بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے مثلاً: چیل اور گدھ وغیرہ۔

یہ وہ جانور ہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان میں سے بعض کے بارے میں اگرچہ اہل علم میں اختلاف ہے مگر اختلاف کے وقت اشیاء کو ان کے اصول کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، علامہ سعدی نے مختصر انداز میں ان جانوروں اور پرندوں کے احکام کو اس طرح جمع کیا ہے:

"حكم البهائم:واما البهائم فانها على ستة اوجه ثلاثة منها محلله بلا خلاف وهي الابل والبقر والشاة والجواميس من جملتها واثنان منهما محرمتان في قول ابي حنيفة واصحابه وابي عبد الله والشافعي وهي البغال والحمير وكذلك البانها وفي قول مالك وبشر المريسي هما حلالان

والسادس الفرس فان لحمه حلال في قول ابي يوسف ومحمد وابي عبد الله والشافعي ومالك وفي قول ابي حنيفة مكروه حكم الوحش من البهائم:واما الوحش فانها مجللة بأجمعها بلا خلاف ان قتلت في الصيد او ذبحت بعد الاخذ واذا نزا حمار الوحش على الأهلي او الأهلى على الوحش فان حكم الولد حكم الام في ذلك حكم السباع:وأما السباع فانها على وجهين احدهما العادية على الانسان،والثاني النافرة عن الانسان فأما العادية محرمة بأسرها بلا خلاف وهي الذئب والفهد والنمر والاسد والدب والخنزير والكلب واشباهها وأما النافرة فانها محللة في قول الشافعي ومحرمة في قول ابي حنيفة وأصحابه وابي عبد الله وهي مثل الضبع والثعلب وابن آوى واشباهها وكذلك السنور البري والأهلي ،حكم الطيور:واما الطيور فانها على نوعين:نوع منها ذوات المخلب ونوع لا مخالب لهافاما التي لا مخالب لها فانها محللة كلها الا ان الغربان مكروهة لاكلها الجيف واما ذوات المخالب فانها محللة عند مالك ومحرمة في قول ابي حنيفة واصحابه وابي عبد الله لقوله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم كل ذي ناب من السباع وذي مخلب من الطيور واما حشرات الارض فانها محرمة في قول ابي حنيفة واصحابه ومحلله في قول ابي عبد الله وسائر الناس الا انها مكروهة مثل الحية والضب واليربوع والقنفذ والسلحفاة والفارة وابن عرس واشباهها"[24]

"جانوروں کا حکم: جہاں تک بات ہیں جانوروں کا تو اس کی چھ قسمیں ہیں: ان میں سے تین بغیر کسی اختلاف کے حلال ہیں، جیسے: اونٹ، گائے، بکری اور بھینس، اور ان میں سے دو حرام ہیں امام صاحب اور آپ کے تلامذہ کے یہاں اسی طرح امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے یہاں بھی حرام ہے، اور وہ خچر اور گدھا ہیں۔ چھٹا جانور گھوڑا ہے، صاحبین، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں گھوڑے کا گوشت حلال ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ وحشی جانوروں کا حکم: جہاں تک بات ہے وحشی جانوروں کا تو یہ تمام کے تمام بغیر کسی اختلاف کے حلال ہیں، بشرطیکہ آپ نے اسے شکار کے بعد قتل کیا ہو یا اسے پکڑنے کے بعد ذبح کر لیا ہو۔

درندوں کا حکم: درندوں کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم جو انسان کے ساتھ عادی ہو۔ دوسری قسم جو انسان کے ساتھ عادی نہ ہو بلکہ متنفر ہو جہاں تک بات ہے ان درندوں کا جو انسان کے ساتھ عادی ہیں تو وہ تمام کے تمام حرام ہیں جیسے بھیڑیا، ریچھ، شیر، چیتا، خنزیر، کتا اور اس کے مشابہ جانور۔ اور وہ درندے جو انسان سے متنفر ہیں وہ تمام کے تمام امام شافعیؒ کے یہاں حلال ہیں جبکہ احناف اور امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں حرام ہیں، جیسے بجھو، لومڑی اور اس کے مشابہ جانور اسی طرح گھریلو اور جنگلی بلی۔

پرندوں کا حکم: پرندوں کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک قسم وہ ہیں جو پنجے والے ہوں، دوسری قسم بغیر پنجوں کے ہیں، جن کے پنجے نہیں ہیں وہ تمام کے تمام حلال ہیں سوائے کوئے کے کہ وہ گندگی کھاتی ہے، اور جن کے پنجے ہیں وہ امام مالکؒ کے یہاں حلال ہیں جبکہ احناف اور حنابلہ کے یہاں حرام ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہیں کہ کچلی کے دانت رکھنے والے درندے اور پنجوں سے شکار کھیلنے والے پرندے کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہیں۔

حشرات الارض: (کیڑے مکوڑے) امام صاحب کے یہاں تمام حرام ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل اور دیگر فقہاء کے یہاں حلال تو ہیں مگر مکروہ ہیں، جیسے: سانپ، مگرمچھ، بڑا چوہا، سہ، کچھوا، چوہا، اور اس جیسے دیگر حشرات الارض۔"

پانی میں رہنے والے جانور، ان جانوروں کی ساخت خشکی اور ہوائی جانوروں سے مختلف ہوتی ہے، یہ فضا میں سانس نہیں لیتے بلکہ پانی سے ہی آکسیجن حاصل کرتے ہیں، دیگر جانوروں کی طرح ان کے جسم میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، اس لئے ان کے احکام بھی مختلف ہیں، علامہ سغدیؒ سمندری جانوروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ احناف کے یہاں سوائے مچھلی تمام سمندری جانور حرام ہیں، چنانچہ آپ اس طرح رقمطراز ہے:

"حکم دواب البحر وأما دوات البحر فانها محرمة سوى السمك بأجناسها في قول الفقهاء واما في قول الشافعي وابي عبد الله فانها على الاباحة"[25]

"سمندری جانور تمام فقہاء کے یہاں مچھلی کے علاوہ تمام حرام ہیں، جبکہ امام شافعی اور احمد بن حنبلؒ کے یہاں سمندری جانور مباح ہیں۔"

ان تمام تفاصیل کا خلاصہ اور نچھوڑ کچھ یوں ہیں کہ "احلت لکم بھیمۃ الانعام "تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں چرنے والے جانور۔ چوپائے، مویشی بہیمہ چرنے والے جانور کو کہتے ہیں جو گھاس یا پتے وغیرہ کھاتے ہیں اور انعام وہ جانور ہوتے ہیں جو عام طور پر پالے جاتے ہیں۔ یہ چار قسم کے جانور ہیں اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ فرمایا ان کو بعض شرائط کے ساتھ ذبح کرو تو ان کا گوشت تمہارے لیے حلال ہو گا۔ جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہے اسے کھاؤ پیؤ اور جو حرام کی ہے اس سے رک جاؤ یہی ایفائے عہد ہے۔۔۔۔۔ بعض کہتے ہیں کہ ان جانوروں کے علاوہ بعض

دوسرے جانور بھی حلال جانور کی فہرست میں آتے ہیں جو مذکورہ جانوروں کی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں ہرن، گورخر اور شتر مرغ وغیرہ ہیں، وہ چار پائے ہیں اور گھاس چرتے ہیں۔ ان کا گوشت بھی انسانی ساخت سے مطابقت رکھتا ہے لہذا یہ بھی حلال جانور ہیں۔ حرام جانور بعض جانور مویشیوں کی طرح چار پائے ہیں مگر ان میں کسی نہ کسی طرح کی خرابی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کا گوشت انسانوں کے لیے حرام قراد دے دیا ہے۔ گدھا بھی انہی جانوروں میں سے ہے۔ گھاس چرتا ہے، چار پائوں بھی رکھتا ہے مگر اس کا گوشت حرام ہے۔۔۔اب درندے بھی چار پائوں رکھتے ہیں۔ چونکہ ان میں درندگی کی صفت پائی جاتی ہے اس لیے ان کے گوشت حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ شیر، چیتا، گیڈر، لومڑی، لنگور، کتا وغیرہ حرامہ ہیں۔ ان کا گوشت کھانے سے روحانیت میں فساد آئیگا۔ جسم میں خرابی پیدا ہوگی، اسی طرح خنزیر کا گوشت کھانے سے بے غیرتی جیسی قبیح خصلت پیدا ہوتی ہے اس لیے اسے قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ غذا کا اثر انسان کے جسم اور ساخت پر براہ راست ہوتا ہے۔ اس لیے حرام جانوروں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا گیا ہے اور حلال جانوروں کے گوشت، دودھ، کھال اور اون تک استعمال کرنیکی اجازت ہے۔

حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے بھی کھانے کی قابل نہیں، ان میں ایک قسم کی نجاست پائی جاتی ہے۔۔۔ بعض ایسے پرندے ہیں جو نوچ کر شکار کھاتے ہیں۔ بعض پنجہ مار کر شکار کرتے ہیں۔ ان میں چیل، شکرا، گدھ وغیرہ ہیں۔ یہ سب حرام ہیں، مردار کھانے والے پرندے ہیں۔ یہ انسان کے لیے قطعی حرام ہیں ان کے کھانے سے انسانی جسم وروح میں خرابی آتی ہے۔ احرام کی حالت میں شکار فرمایا تمہارے لیے چوپائے حال کئے گئے الامایتلی علیکم سوائے ان جانوروں کے جن کا ذکر آگے آرہا ہے یعنی اس سورۃ کی آیت نمبر ۳ میں اور اس سے آگے۔ وہاں پر مختلف قسم کے حرام جانور اور حرام اشیاء کا تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ فرمایا ان مذکورہ جانوروں کے علاوہ باقی تمام مویشی تم پر حلال ہیں غیر محلی الصید وانتم حرم البتہ احرام کی حالت میں تم خشکی کے شکار حلال سمجھنے والے نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ جانوروں میں گائے، بیل، بھینس، اُونٹ، بکرا، بکری، دنبہ، دنبی کا شمار حلال جانوروں میں ہوتا ہے، گھوڑا امام صاحب کے مذہب میں مکروہ جبکہ صاحبین اور امام شافعی کے یہاں بغیر کراہیت حلال ہے، امام شافعی کے یہاں خچر اور پالتو گدھا بھی حلال ہے۔

وحشی جانوروں میں جنگلی گدھا، ہرن حلال ہیں، درندوں میں شیر، چیتا، لومڑی، گدڑ، خنزیر، کتا، جنگلی اور گھریلو بلی اورریچھ حرام ہے، پرندوں میں ہروہ پرندہ حرام ہے جس کے پنجے ہوں اور پنجوں سے شکار کرتا ہو، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) امام ابوحنیفۃ کی مذہب میں تمام کے تمام حرام ہے جبکہ امام شافعی انہیں مع الکراہیت جائز سمجھتے ہیں، جہاں تک بات ہے سمندری حیات کا تو سمندر کے تمام جانور حرام ہے سوائے مچھلی کے جبکہ امام شافعی اور مالک اسے جائز سمجھتے ہیں۔

قصہ ہابل و قابیل سے مستنبط قاعدہ:

قتل انسانی ایک نہایت گناؤنا جرم ہے جہاں اس کے مفاسد ایک طرف بہت زیادہ ہیں تو دوسری طرف متعدی بھی ہیں، قتل نہ صرف اسلامی دنیامیں حرام اور ناجائز ہیں بلکہ دیگر آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب میں بھی اس جرم کا بہت ہی برے نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ شریعت اسلامی کے نصوص نے اس جرم کی گناؤنے پن کی طرف زرا پُر زور انداز میں آشکارا کیا ہے بلکہ ایک عام قاعدے کے طور پر فرمایا کہ ایک انسان کا قتل ایک ہی انسان کا نہ سمجھو بلکہ یہ سمجھو کہ اس نے نوع انسانی کو تہہ تیغ کیا تفسیر اکلیل فی استنباط التنزیل کے سورۃ المائدہ میں اس طرح مرقوم ہے:

"قوله تعالى: {مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا}فيه مشروعية قتل المفسدين في الأرض فيدخل في ذلك قاطع الطريق والساحر والمكاس ومن عم فساده وظلمه."[26]

"اللہ تعالیٰ قول: {مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا} اس آیت سے زمین میں فساد کرنے والوں کے قتل کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے جس کے تحت ڈاکو، جادو گر اور جس کا فساد اور ظلم عام ہو یہ سب کے سب داخل ہیں۔"

علامہ سیوطیؒ نے اس آیت کو بہت ہی اچھوتے انداز میں پیش کیا بلکہ قرآن کریم کے مذکورہ قاعدے سے اپنی فقہیانہ نظر سے ایک اور قاعدہ مستنبط کیا کہ چونکہ قتل ایک فساد ہے اور جس بھی فساد کا مفسدہ قتل جیسا ہو گا اس تمام کا یہی سزاء ہونا چاہئے یعنی مذکورہ آیت کو علامہ سیوطیؒ نے عموم پر محمول کیا ہے، علامہ سیوطیؒ کی طرح دیگر مفسرین نے بھی مذکورہ آیت کو عموم پر محمول کرتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ ہر فسادی کا قلع قمع کیا جائیگا خواہ اس کی یہ فساد کسی بھی وجہ سے ہو اور یہی معنی اس آیت کریمہ کی تمام فقہاء اور اصولیین نے کیا ہے، چنانچہ مفاتیح الغیب میں امام فخر الدین رازیؒ اس طرح مرقوم ہے:

"(آیت) " من اجل ذلک " یعنی ان مفاسد کے باعث جو قتل ناحق سے پیدا ہوتے ہیں۔ (آیت) " ذلک " سے اشارہ قصہ قتل ہابیل کی جانب نہیں، بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں، هو اشارة الى ما مر ذكره فى هذه القصة من انواع المفاسد الحاصلة بسبب القتل الحرام ۔"[27]

اسی کی تفصیل تفسیر ماجدی میں عبد الماجد دریابادی نے یوں فرمائی ہے:

"آیت سے ظاہر ہو گیا کہ جو بھی قتل ارادی بجزان دو صورتوں کے کیا جائے، وہ قتل ناحق ہو گا : (آیت) "نفسا بغیر نفس" یعنی وہ قتل بہ طور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔

(آیت) " فساد فی الارض" یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو، اور نظام عالم پر اس سے ضرب لگ رہی ہو، مثلاجرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرام کاری وغیرہ۔"[28]

یہاں ایک اشکال عموما فلسفیانہ اذہان میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کے قاتل کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب مختلف مفسرین نے اپنی اپنی انداز میں دیا ہے، مگر ان سب کے سب کا لُب لباب یہ ہے کہ یہ اشکال لفظ "فکانما" پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہر گز نہیں ہو رہا ہے، کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہو گا، قانون، عدالت، ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں، مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم وفاجر ایک شخص کی بھی جان بلاوجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا، اس کی جسارت اور خبث نفس سے بعید کیا ہے، جو وہ پائے تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے، اصل شے تو اس کی نظر میں قانون شریعت کی بے توقیری اور اس کے خلاف ورزی پر اس کی دلیری ہے، قاضی بیضاویؒ نے اسے بہت ہی مختصر انداز میں فرمایا کہ:

"من حیث انه هتک حرمة الدماء وسن القتل وجرأالناس علیه"[29]

"اس وجہ سے کہ انہوں نے خون کی حرمت ختم کر دیا اور قتل کا طریقہ جاری کر کے لوگوں کو اس پر کاربند کر دیا۔"

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

" المقصود من تشبیه قتل النفس الواحدة بقتل النفوس المبالغة فی تعظیم امر القتل العمد العدوان وتفخیم شانه "[30]

" یہاں تشبیہ سے مقصود ایک آدمی کی قتل کو بہت سارے لوگوں کے قتل کے ساتھ ملانا ہے بطور مبالغہ کے کیونکہ قتل عمد کا معاملہ بہت ہی عظیم امر ہے اور اس کی حال بہت ہی بڑی ہے۔"

احکام القرآن للقرطبی میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"قیل المعنی من استحل واحدا فقد استحل جمیعا لانه انکر الشرع "[31]

" کیونکہ جب انہوں نے ایک آدمی کے قتل کو حلال سمجھا تو اس کو مطلب ہے کہ انہوں نے سب کو حلال سمجھا اس لئے کہ انہوں نے شریعت کا انکار کیا۔"

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے، اس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ بانی اول میں جور و ستم کا تو وہی ہوا ہے۔

"عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لا تقتل نفس ظلما الا کان علی ابن ادم الاول کفل من دمها لانه اول من سن القتل"[32]

موجودہ توریت میں تو جرم قتل انسانی سے متعلق صرف اس قدر ہے:۔

"جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائے گا، کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے"[33]

لیکن تالمود میں (حسب روایت راڈول، انگریزی مترجم قرآن) حسب ذیل مضمون بھی موجود ہے:۔

"جو کوئی کسی ایک اسرائیلی کو بھی مار ڈالے گا، اس کے لیے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے ساری نسل اسرائیل کو قتل کر دیا"۔

ایک حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون، ایک عام قاعدہ وضابطہ کی صورت میں آیا ہے:

"عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا، كَانَ لَهُ أَجْرُهَا وَمِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، لَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا، لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا» "[34]

"جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اس پر عمل بھی کرے اسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے، اور اس پر عمل بھی کرے اس پر گناہ اپنے کئے کا بھی پڑتا ہے، اور اس کے بعد اس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔"

اگر نص کی اتنی تصریحات نہ موجود ہوتیں، جب بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ پر عقلی تھا، (آیت) "احیاھا" احیا کے معنی یہاں زندہ کرنے کے نہیں، موت سے بچا لینے اور اسباب ہلاکت سے دور رکھنے کے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء وتحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں

مدد کرتا ہے وہ در حقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔

اس پورے بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ سورہ المائدہ کے مرکزی مضمون اوراس سورت کا محور فقہی احکام عقائد، عبادات ومعاملات، شکار کے مسائل اور مناسک حج ہیں، ایک اہم مسئلہ جو یہاں بیان ہوا ہے وہ شعائر کا ہے، شعائر کسی قوم کے خاص اور امتیازی علامات ہوتے ہیں جو کہ ہر قوم وملت کی الگ الگ ہوتے ہیں، جہاں تک بات ہے شعائر اللہ کا تو شعائر اللہ محض اسلامی اقدار کے علامات اور امتیازات ہوتے ہیں، جیسے کہ نماز، مسجد، بیت اللہ، احرام وغیرہ۔

یہاں اس مخصوص مقام پر شعائر اللہ کے احترام کا یہ حکم اس زمانہ میں دیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی، اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہی سہی، تمہارے اور ان کے درمیان جنگ ہی سہی، مگر جب یہ خدا کے گھر کی طرف جاتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو، حج کے مہینوں میں ان پر حملہ نہ کرو، خدا کے دربار میں نذر کرنے کے لیے جانور یہ لیے جارہے ہوں ان پر ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ ان کے بگڑے ہوئے مذہب میں خدا پرستی کا جتنا حصہ باقی ہے وہ بجائے خود احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے احترامی کا، اس کے بعد حلال وحرام جانوروں کی تفصیل ذکر کر دی گئی ہیں، حلال جانوروں میں گائے، بیل، بھینس، اُونٹ، بکرا، بکری، دنبہ، دنبی کا شمار ہوتا ہے، گھوڑا امام صاحب کے مذہب میں مکروہ ہے جبکہ صاحبین اور امام شافعی کے یہاں بغیر کراہیت کے حلال ہے، امام شافعی کے یہاں خچر اور پالتو گدھا بھی حلال ہے، وحشی جانوروں میں جنگلی گدھا، ہرن حلال ہیں، درندوں میں شیر، چیتا، لومڑی، گدڑ، خنزیر، کتا، جنگلی اور گھریلو بلی اورریچھ حرام ہے، پرندوں میں ہر وہ پرندہ حرام ہے جو پنجوں سے شکار کرتا ہو، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) امام ابوحنیفہ کی مذہب میں تمام کے تمام حرام ہے جبکہ امام شافعی انہیں مع الکراہیت جائز سمجھتے ہیں، جہاں تک بات ہے سمندری حیات کا تو سمندر کے تمام جانور حرام ہے سوائے مچھلی کے جبکہ امام شافعی اور مالک اسے جائز سمجھتے ہیں۔

آخر میں ہابیل اور قابیل کے واقعہ سے مستنبط قاعدے کا تذکرہ فرمایا کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس بات پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقاء و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام اور ہمدردی نوع کے جذبہ سے خالی ہے، لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے، اس کے برعکس جو شخص انسان کی زندگی کے قیام میں مدد کرتا ہے وہ در حقیقت انسانیت کا حامی ہے، کیونکہ اس میں وہ صفت پائی جاتی ہے جس پر انسانیت کے بقاء کا انحصار ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1. السیوطی، جلال الدین، کتاب التحدث بنعمۃ اللہ، المطبعۃ العربیۃ الحدیثۃ، قاہرہ:1975، ص:12
2. السیوطی، جلال الدین، حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ، دار ابن حزم، بیروت: س ن، ص:282
3. السیوطی. جلال الدین. عبد الرحمان، مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن. کوئٹہ، مکتبہ المعروفیہ. س ن. ج:2ص:183
4. پنجاب یونیورسٹی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور:2006ء ج:11، ص:537
5. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:11، ص:537
6. حریری. غلام محمد، تاریخ تفسیر و مفسرین. فیصل آباد: ملک سنز اینڈ پبلشرز. 1999. ص:229
7. سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمان، 1981، الاکلیل فی استنباط التنزیل، درالکتب العلمیہ، بیروت: ص:5
8. سورۃ المائدۃ:112/5
9. مودودی، ابو الاعلی، سید، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، س ن، ج:1ص:434
10. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الطیبہ، 1998، ج:3ص:5
11. عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، کراچی: ادارۃ المعارف، 1978، ج:3ص:10
12. سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمان، الاکلیل فی استنباط التنزیل، ص:5
13. قرطبی، أبو عبد اللہ محمد بن أحمد، الجامع لأحکام القرآن، دار عالم الکتب، بیروت:1423، 2003ء، ج:6ص:37
14. قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن، ج:2ص:265
15. مودودی، ابو الاعلی، تفہیم القرآن، سید، ترجمان القرآن، لاہور: س ن، ج:1ص:438
16. مودودی، ابو الاعلی، سید، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، ج:1ص:439
17. سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمان، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، ص:107
18. سورۃ المائدہ:3/5
19. سورۃ البقرہ:29/2
20. سورۃ الجاثیہ:13/45
21. البیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین، السنن الکبری، مجلس دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، 1344ھ، ج:9ص:330
22. دار قطنی، عمر بن محمد، سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، بیروت: درالمعرفہ، 1386ج:4ص:183
23. مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، ح:5133، قدیمی کتب خانہ، کراچی: ج:2ص:149
24. سغدی، علی بن حسین، النتف فی الفتاوی، مکتبہ قرآن والسنہ، پشاور: س ن، ص:150
25. سغدی، علی بن حسین، النتف فی الفتاوی، ص:151
26. سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمان، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، ص:110
27. رازی. فخر الدین. امام، مفاتیح الغیب. معروف بتفسیر الکبیر. دار لفکر، بیروت:1981ج:11ص:346
28. دریا آبادی. مولانا عبد الماجد، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی:1995ء، ص:211

29. بیضاوی، ناصر الدین عبد اللہ بن عمر، أنوار التنزیل وأسرار التأویل، دار إحیاء التراث، بیروت: ج:2ص:124

30. رازی. فخر الدین. امام، مفاتیح الغیب. معروف بتفسیر الکبیر. ج:11ص:346

31. قرطبی، أبو عبد اللہ محمد بن أحمد، الجامع لأحکام القرآن، ج:6ص:147

32. بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، کتاب الانبیاء، باب خلق آدم، قدیمی کتب خانہ، کراچی: ج:1ص:468

33. کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، انسٹیوشن بائبیل، جرمنی،، 2015، 9:6، ص:323

34. ابن ماجہ محمد بن یزید، السنن، کتاب الایمان، بَابُ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً، س ن، قدیمی کتب خانہ، کراچی: ص:81